ٹورانٹو (کینیڈا) میں ایک مجلس

ابوالاعلیٰ مودودی

پچھلے دنوں مجھے بغرضِ علاج امریکہ جانا پڑا تھا۔ وہاں میرا قیام بفلو میں تھا جس سے کینیڈا کا شہر ٹورانٹو تقریباً سو میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اس شہر کی ۲۱۷۵۰۰۰ آبادی میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۲۵ ہزار ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کا تقاضا تھا کہ میں امریکہ چھوڑنے سے پہلے کم از کم ایک دفعہ ان کے ہاں ضرور حاضر ہوں۔ چنانچہ ۵ اگست ۱۹۷۴ء کی شام کو میں نے ان کی فرمائش پوری کی اور اسلامک سنٹر کے ہال میں ایک بڑے مجمع کو خطاب بھی کیا اور لوگوں کے سوالات کے جواب بھی دیے۔ اس مجلس کی روداد درج ذیل ہے:

بھائیو اور بہنو،

میں تہ دل سے اُس محبت کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے ساتھ مجھے یہاں آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں امریکہ اور کینیڈا کے سفر پر آیا بھی تو بیماری کی حالت میں آیا۔ اگر صحت کی حالت میں آتا اور میرے اندر طاقت ہوتی تو میں مختلف شہروں میں خود جاتا اور ہر جگہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملتا، ان کے حالات معلوم کرتا، ان کے سوالات کے جوابات دیتا اور جو کچھ مشورہ ان کو دے سکتا تھا وہ دیتا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ میں زیادہ محنت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ سفر کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ بہت مشکل سے یہاں پہنچا ہوں۔ میں سب سے پہلے آپ کے سوالات کے جوابات دوں گا۔ پھر جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ چند منٹوں میں عرض کر دوں گا۔ سوال و جواب کے طریقے کو میں نے اس لیے پسند کیا ہے کہ جو باتیں آپ کے دل میں کھٹکتی ہیں پہلے وہ مجھے معلوم ہو جائیں اور میں ان کا جواب دے کر آپ کی تشفی کرنے کی کوشش کروں۔

سوال نمبر ۱ - سود کا مسئلہ

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے بینکوں کا سود وہی چیز ہے جسے ربا کہا جاتا ہے؟ کیا مکان کا کرایہ سود پر قرض دینے سے مختلف کوئی چیز ہے؟ ایک ملک کی معیشت، مثلاً افراطِ زر، تفریطِ زر، اور قیمتوں وغیرہ کو سود کے تصور کے بغیر کنٹرول کیا جا سکتا ہے؟"

جواب: - سب سے پہلے آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ قرآن سود کا کیا تصور پیش کرتا ہے۔ اُس میں بالکل واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ جو رقم کسی شخص نے قرض لی ہو اس سے زائد کوئی رقم اگر قرض دینے والا بطور شرط وصول کرتا ہے تو وہ "ربا" ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے جو قرآن میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے "راس المال" (یعنی اپنے دیے ہوئے اصل مال) سے زیادہ ایک پیسہ تک لینے کا حق نہیں ہے۔ اس معاملہ میں یہ بات خارج از بحث ہے کہ جو شخص سود پر قرض لے رہا ہے وہ آیا غریب ہے، یا قرض اِس غرض کے لیے لے رہا ہے کہ اس کو کاروبار میں لگائے یا صنعت میں یا کسی اور کام میں لگائے۔ ان حیثیتوں سے قرآن قطعی بحث نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اصل راس المال سے زیادہ وصول کرنے کو بجائے خود قطعی حرام قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مزید بات یہ سمجھ لیجیے کہ جو شخص قرض دیتا ہے وہ آخر پیشگی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ قرض لینے والا اس سے کتنا فائدہ اُٹھائے گا، بلکہ کوئی فائدہ اُٹھائے گا بھی یا نہیں، یا اُلٹا نقصان اُٹھائے گا۔ اُس کو اِن باتوں سے کوئی بحث نہیں ہے۔ وہ ایک مقرر منافع اور قانونی طور پر محفوظ منافع لینے کا ہر حال میں حقدار ہے۔ قرض لینے والے نے مثلاً اگر کسی مُردے کو دفن کرنے کے لیے قرض لیا تھا، تب تو سود اس کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ لیکن اگر اس نے کاروبار میں لگانے کے لیے لیا تھا تو اُس کے لیے منافع ہی کی نہیں، نقصان سے بچنے کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ محنت، ذہانت اور وقت سب کچھ وہ صرف کرتا ہے۔ لیکن کاروبار کا سارا خطرہ (RISK) اُس کے ذمہ ہے اور قرض دینے والے کے لیے ایک مقرر منافع کی پوری ضمانت ہے۔ اس کو انصاف کون کہہ سکتا ہے؟

اب میں اس سوال کے دوسرے حصے کو لیتا ہوں۔ یعنی یہ کہ مکان کا کرایہ لینے اور قرض دیے ہوئے مال پر سود لینے میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کو آپ صرف مکان کے کرائے تک محدود کیوں رکھتے ہیں؟

اگر کوئی شخص ٹیکسی چلا رہا ہے اور اس کا کرایہ لے رہا ہے تو اس پر بھی یہی سوال کیجیے کہ کیا وہ روپیہ جو اس نے ٹیکسی خریدنے اور اس کے چلانے میں لگایا ہے وہ اس کا سود وصول نہیں کر رہا ہے؟ اسی طرح سے آپ اُن تمام چیزوں کے بارے میں یہی سوال کر سکتے ہیں جو کرایہ پر دی جاتی ہوں، مثلاً فرنیچر وغیرہ۔ لیکن روپیہ قرض دینے، اور مکان یا کسی دوسری چیز کو کرایہ پر دینے میں صریح فرق ہے۔ جو نقد روپیہ کسی کو دیا جاتا ہے وہ تو خرچ ہو جاتا ہے۔ اس نقد روپے میں کوئی ٹوٹ پھوٹ یا فرسودگی نہیں ہوتی ــــ وہ استعمال کرنے سے پرانا نہیں ہو جاتا۔ اس کو مرمّت اور دیکھ بھال کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی وصول طلب تعداد جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ لیکن مکان ہو یا کوئی اور چیز، اس میں ٹوٹ پھوٹ بھی ہوتی ہے، استعمال سے فرسودگی بھی لاحق ہوتی ہے، مرمت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور جس حالت میں کرایہ دار کوئی چیز لیتا ہے وہ اُسی حالت میں اسے مالک کو واپس نہیں کرتا بلکہ کسی نہ کسی نقصان کے ساتھ واپس کرتا ہے۔ اس لیے چیز کا مالک اس پر کرایہ لینے کا جائز حقدار ہے۔ اس نوعیت کے کرائے کو روپے کے کرائے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے شریعت میں سود اور استعمالی اشیاء کے کرائے میں واضح فرق کر دیا گیا ہے۔

سوال کا آخری حصہ یہ ہے کہ سود کے بغیر ایک ملک کی معیشت کو کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوال ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی غلط طریقے پر دنیا کا نظام چل پڑتا ہے تو پھر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کے بغیر نظام کیسے چل سکتا ہے؟ اس طرح کے نظام میں خرابی بس یہی ہے۔ ورنہ اسلام نے صدیوں تک دنیا کے بڑے حصے پر حکومت کی ہے۔ صدیوں تک اس کے تحت اندرونی اور بیرونی تجارت چلتی رہی ہے۔ مالی معاملات چلتے رہے ہیں۔ صنعتیں چلتی رہی ہیں۔ ہر قسم کا لین دین ہوتا رہا ہے۔ مگر کبھی سود لینے یا دینے کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ یہ سودی نظام جس طرح موجودہ نظام مالیات پر مسلط ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے یورپ میں یہودیوں نے سود خواری شروع کی۔ کلیسا ابتدا میں اس کا مخالف تھا۔ سود کو وہ بھی حرام قرار دیتا تھا۔ لیکن یہودیوں کی وجہ سے جب سارے کاروبار میں سود گھستا چلا گیا تو کلیسا اس کے ساتھ مصالحت کرتا چلا گیا یہاں تک کہ آخر کار سود بالکل حلال ہو گیا اور ساری معیشت اسی پر چلنے لگی۔ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس بات کے علمبردار ہیں کہ دنیا سے سود کو ختم کریں اور سارے مالی نظام کو غیر سودی طریقے پر چلائیں۔ ہمارے

پاس سودی نظام کے مقابلے میں منافع میں شرکت کا قاعدہ (PROFIT SHARING SYSTEM) ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ سرمایہ دار قرض دے کر ایک مقررہ رقم وصول کرے، اس کو لازماً کاروبار میں روپیہ لگانا چاہیے اور جو منافع ہو اس کا متناسب حصہ لینا چاہیے۔ اگر بڑے پیمانے پر بہت سے کاموں میں روپیہ لگایا جائے گا تو سارے کاموں میں نقصان ہی نہ ہوگا، بلکہ کسی میں نقصان اور کسی میں منافع ہوگا، اور مجموعی طور پر نفع نقصان سے زیادہ ہوگا۔ لیکن اس صورت میں یہ بے انصافی نہ ہوگی کہ روپے والے کے لیے لازماً مقرر منافع کی ضمانت ہو، اور سارا خطرہ (RISK) صرف کام کرنے والوں کے حصے میں آئے۔ ہمارے نزدیک دنیا کی تباہی کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ سودی نظام پورے مالیات پر قابض ہوگیا ہے۔

سوال نمبر ۲۔ اسلامی نظام کے قیام کا طریقہ

"قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اُن اولوالامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں۔ یہ حکم ایک ایسی منظم جماعت چاہتا ہے جو کسی خاص فرقے یا قوم تک محدود نہ ہو اور اسلام کی حدود میں رہ کر کام کرے۔ آپ کا اس معاملہ میں کیا مشورہ ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جائیں، خصوصاً کینیڈا کے تنظیمی ڈھانچے کے اندر؟"

جواب:۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا پورا جواب تو ایک کتاب ہی میں دیا جاسکتا ہے۔ تاہم میں ایک مختصر سا جواب عرض کیے دیتا ہوں۔ آدمی خواہ کینیڈا میں ہو، امریکہ میں ہو، چین میں ہو، یا کہیں بھی ہو، مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا اصل کام لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے۔ حالات اور مقامات کی مخصوص نوعیتوں کے لحاظ سے آپ اس دعوت کے لیے مناسب صورتیں اختیار کرسکتے ہیں، لیکن سب سے مقدم کام ایمان کی دعوت ہی ہے جس کے بغیر اسلامی تعلیمات کی دوسری تفصیلات کو پیش کرنا لاحاصل ہے۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ معقول دلائل کے ساتھ لوگوں کو اچھی طرح اس بات پر مطمئن کردیا جائے کہ وہ اِس دنیا میں خود مختار پیدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ اس دنیا کا ایک خدا ہے جس کے وہ بندے ہیں، جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور جس کی اطاعت ان کو کرنی چاہیے۔ پھر ان کو اس بات کا قائل کیا جائے کہ خدا کی اطاعت کرنے کا ذریعہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کے طریقے کی پیروی کرنا ہے اور اس کتاب کی

پیروی کرنا ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ پھر ان کو یہ سمجھانا ہے کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے، مر کر مٹی ہو جانے والا نہیں ہے، بلکہ اس کو دوبارہ ایک زندگی عطا ہونی ہے جس میں وہ خدا کے سامنے اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرے گا اور اپنا حساب دے گا۔ یہ چیزیں آپ کو لوگوں کے ذہن نشین کرنی پڑیں گی خواہ آپ کہیں بھی ہوں۔ آپ جس معاشرے میں بھی ہوں اُس کے انفرادی اور اجتماعی حالات کا جائزہ لے کر آپ کو بتانا ہوگا کہ لوگوں کی انفرادی زندگیوں اور اجتماعی نظام میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی بنیادی وجہ یا تو خدا کے متعلق ان کا غلط عقیدہ ہے، یا رسالت، یا کتاب، یا آخرت کے بارے میں وہ کوئی غلط عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ چار بنیادی چیزیں ہیں۔ ان کے بارے میں اگر کوئی شخص یا قوم کوئی غلط عقیدہ اختیار کرلے تو اس کی ساری زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ یہاں آپ جس معاشرے میں رہتے ہیں اس کے اندر آپ خود دیکھ رہے ہیں اور لوگوں کو دکھا سکتے ہیں کہ ہر طرف کیسی کیسی خرابیاں موجود ہیں۔ ترقی کے ساتھ ساتھ تنزل کے کون کون سے اسباب کس کس شکل میں یہاں خرابیاں پیدا کر رہے ہیں۔ یہ خرابیاں کس طرح سوسائٹی کا ستیاناس کر رہی ہیں۔ جرائم بڑھا رہی ہیں۔ خاندانی نظام کو تباہ کر رہی ہیں۔ نئی نسلوں کو بگاڑ رہی ہیں۔ اخلاقی قدروں کا خاتمہ کر رہی ہیں۔ اور بدکرداری کا وہ طوفان برپا کر رہی ہیں جو اس سے پہلے بہت سی تہذیبوں کو غارت کر چکا ہے۔ یہ ساری چیزیں اب اس قدر عیاں ہو چکی ہیں کہ ان کی نشاندہی کرنے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ انھیں پیش کر کے آپ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان کی اصل وجہ سے خدا سے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایت سے اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے غافل ہو جانا ہے۔ اس حقیقت کو جب آپ معقول دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کریں گے تو لازماً کچھ لوگ آپ کو ایسے مل جائیں گے جو ان کی صداقت تسلیم کرلیں گے۔ مکے میں بھی اسی طرح ہوا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی طرف دعوت دی تو پہلے چند آدمیوں ہی نے اس کو مانا تھا۔ ایسے آدمی جب آپ کو مل جائیں تو انھیں ایک منظم جماعت بنایئے اور ان کے ذریعے سے دعوت کو مزید پھیلایئے۔ جتنے لوگ اس دعوت کو قبول کرتے جائیں گے وہ اس جماعت میں شامل ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب اس سوسائٹی کو عملاً تبدیل کر دینا ممکن ہوگا۔ اس کے لیے صبر چاہیے، مسلسل محنت چاہیے۔ عقلمندی کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ اور اس بات کی فکر نہ کرنی چاہیے کہ ہم کو اس میں کامیابی ایک صدی میں ہوگی یا دو صدیوں میں ہوگی۔

سوال نمبر ۳ - حرام مال سے خیرات

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس نے جمع کیا مال حرام سے اور پھر اس کو صدقہ دے دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں بلکہ اس کا اجر اس کو جائے گا جس کا مال اس شخص نے چرا لیا اور اس کو صدقہ کر دیا "

اس حدیث کی رو سے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ بینک سے سود لے اور پھر غریبوں میں تقسیم کر دے ؟ میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپ نے اس فعل کو کسی عارضی حل کے طور پر پیش کیا ہو گا - کیا آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے ؟"

جواب :- میں بارہا اس بات کو واضح کر چکا ہوں کہ بینک کے سودی اکاؤنٹ میں اس غرض سے روپیہ رکھنا کہ جو سود اس سے وصول ہو گا اس کو غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے گا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص جیب اس لیے کاٹے کہ جو روپیہ اسے ملے گا اس کو وہ کسی یتیم یا کسی بیوہ کو دے دے گا - جس طرح جیب کاٹ کر خیرات کرنا غلط ہے اسی طرح بینک سے سود لے کر خیرات کرنا بھی غلط ہے - میری جس بات کا آپ حوالہ دے رہے ہیں وہ دراصل یہ ہے کہ اگر آپ غلطی سے بینک کے سودی حساب میں روپیہ رکھ چکے ہوں اور اس پر آپ کو سود مل گیا ہو تو اس کو خود نہ استعمال کیجیے بلکہ غریبوں کو دیدیجیے - یہ بات میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ سود کے ذریعے سے جو روپیہ آتا ہے وہ صرف اسی شخص کے لیے حرام ہے جس نے سودی حساب میں روپیہ رکھا اور اس کو وصول کیا - لیکن اگر وہ شخص کسی اور آدمی کو یہ روپیہ ہبہ کر دیتا ہے یا کسی چیز کی اجرت یا قیمت میں دے دیتا ہے تو اس شخص کے لیے یہ حرام نہیں ہے کیونکہ اس کو جائز طریقے سے یہ روپیہ ملا ہے اور سود لینے والے کے پاس یہ ناجائز طریقے سے آیا تھا - مثال کے طور پر سود لینے والا آدمی اگر کسی ٹیکسی پر سوار ہوتا ہے اور ٹیکسی والے کو اجرت دیتا ہے تو وہ روپیہ ٹیکسی والے کے لیے حرام نہیں ہے، البتہ اس شخص کے لیے حرام ہے جس نے سودی روپے سے ٹیکسی پر سفر کیا - اسی طرح اگر وہ کسی کو ہبہ کر دیتا ہے یا صدقہ کر دیتا ہے تو یہ ایک شخص سے دوسرے کی طرف مال منتقل ہونے کی جائز شرعی صورتیں ہیں، اس لیے صدقہ یا ہبہ لینے والے کے لیے یہ روپیہ حرام نہیں ہے -

سوال نمبر ۴ ۔ جماعتِ اسلامی جمہوری طریق کار کیوں اختیار کرتی ہے ؟

"پاکستان کی جماعت اسلامی نے اقتدار کی منزل تک پہنچنے کے لیے جمہوری طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی ایک مغربی طرز کے جمہوری نظام میں مغربی طرز کے انتخابات کے ذریعہ سے اکثریت حاصل کرنا۔ دعوت اسلامی کے لیے اس طریقہ کے موافق و مخالف دلائل کیا ہیں ؟ کیا جماعت نے اس سے پہلے کی تحریکوں کے تجربات سے اس معاملہ میں کوئی فائدہ اُٹھایا ہے اور کس طرح ؟ ایسے حالات میں دعوت کے لیے کیا طریق کار مناسب ہوگا جہاں کے حکمران بالکل مطلق العنان ہیں اور بنیادی انسانی حقوق تک کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔"

جواب :- یہ بھی ایک بڑی تفصیل طلب بحث ہے۔ مگر میں اختصار کے ساتھ آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔ جماعت اسلامی جس ملک میں کام کر رہی ہے اس کے حالات کے لحاظ سے اس نے اپنا طریق کار اختیار کیا ہے۔ کوئی دوسرا آدمی جو اسلامی دعوت کے لیے کسی اور ملک میں کام کر رہا ہو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہمارے طریقے کی پیروی کرے۔ وہ اپنے ملک کے حالات کے لحاظ سے کوئی دوسرا طریق کار اختیار کر سکتا ہے۔ ہم اس کے لیے یہ لازم نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ہی طریقے کی پیروی کرے۔ ہم اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے کسی قسم کی خفیہ تحریک کا طریقہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ ہم اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ کسی طرح کی سازشیں کر کے کوئی فوجی انقلاب لانے کی کوشش کی جائے اور اس طریقے سے اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ پھر یہ ہوگا کہ جس طرح ایک سازش کے نتیجے میں اسلامی حکومت قائم ہو گی اسی طرح ایک دوسری سازش کے نتیجے میں اس کا تختہ اُلٹ کر کوئی اور حکومت قائم ہو جائے گی۔ ہمارے نزدیک صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایک کھلی اور علانیہ دعوت سے اپنا ہم خیال بنائیں۔ اس میں وقت کی حکومت خواہ کتنی ہی رکاوٹیں ڈالے، ہر طرح کی تکلیفوں کو، ہر طرح کے نقصانات کو، ہر طرح کی سزاؤں کو برداشت کر لیا جائے اور اپنی دعوت کو برابر جاری رکھا جائے، یہاں تک کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہمارے ہم خیال ہو جائیں۔ جب لوگ ہمارے ہم خیال ہو جائیں گے تو ہم انشاءاللہ جمہوری طریقے سے ہی اپنے ملک میں اسلامی انقلاب لے آئیں گے۔

سوال نمبر ۵ - کیا زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے؟

"کیا زکوٰۃ ایک طرح کا انکم ٹیکس نہیں ہے؟ کیا ہم زکوٰۃ کو فلاح عامہ کے کاموں مثلاً مدارس اور ہسپتالوں کے لیے استعمال نہیں کر سکتے؟"

جواب: زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینا سرے سے ہی غلط ہے۔ وہ تو اسی طرح ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے جس طرح نماز ایک رکن ہے، حج ایک رکن ہے، روزہ ایک رکن ہے۔ زکوٰۃ اِنہی عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے اور اس عبادت کو مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے مصارف بھی متعین کر دیے ہیں جن کے سوا کسی اور مصرف میں اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ آپ جتنے ٹیکس دیتے ہیں، خواہ وہ انکم ٹیکس ہو یا کسی اور قسم کا ٹیکس، ہر ایک کا نفع آپ کی طرف پلٹ کر آتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ ایک ایسی چیز ہے جس کا نفع آپ کی طرف آخرت میں پلٹ کر آئے گا، اِس دنیا میں کسی طور پر بھی اس کی منفعت حاصل ہونے کی امید پر آپ زکوٰۃ دیں گے تو اسے ضائع کر دیں گے۔ اس دنیا میں آپ بس خدا کے بتائے ہوئے حق داروں کو زکوٰۃ دے دیجیے اور سمجھ لیجیے کہ یہ نیکی خدا کے دفتر میں درج ہو گئی۔ اگر آپ اس سے سڑکیں بنائیں گے یا ریلیں بنائیں گے یا مدرسے اور ہسپتال بنائیں گے تو ان سے امیر اور غریب سب فائدہ اُٹھائیں گے، درآنحالیکہ زکوٰۃ غریبوں کے لیے ہے، امیروں کے لیے نہیں ہے۔ اِن چیزوں سے آپ خود بھی فائدہ اُٹھائیں گے درآنحالیکہ زکوٰۃ سے آپ کو خود فائدہ اُٹھانے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لیے زکوٰۃ کو صرف عبادت سمجھ کر ادا کیجیے، اس کو رکن اسلام سمجھیے، انکم ٹیکس نہ سمجھیے۔ ٹیکس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی انصاف کے ساتھ لگایا جائے اور کتنی ہی ایمانداری سے وصول اور خرچ کیا جائے، بہرحال جن لوگوں پر اس کا بار پڑتا ہے وہ کبھی اس کو خوشدلی سے نہیں دیتے بلکہ اس سے بچنے کی بے شمار راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اب کیا خدا کی فرض کی ہوئی ایک عبادت کو بھی ٹیکس سمجھ کر اس کے ساتھ آپ یہی سلوک کرنا چاہتے ہیں؟ یہ طرزِ عمل آپ زکوٰۃ کے ساتھ اختیار کریں گے تو اپنے مال کے ساتھ اپنے ایمان کو بھی کھو دیں گے۔ یہ تو وہ چیز ہے جو خوشدلی سے دینی چاہیے، خدا کی خاطر دینی چاہیے، جتنی آپ پر واجب ہو اس سے بھی کچھ بڑھ کر دینا چاہیے، تاکہ خدا کی خوشنودی اور زیادہ حاصل ہو سکے۔

سوال نمبر ۶ - انشورنس

"کیا آپ صحت، زندگی، یا حادثات کے بیمے کو ایک طرح کا بیت المال نہیں سمجھتے؟ اس میں تو ہر شخص جو اپنے آپ کو انشور کراتا ہے وہ ایک طرح کا چندہ دیتا ہے، اور حاجت مند اس کا فائدہ حاصل کرتے ہیں"۔

جواب:۔ آپ نے تو انشورنس کا کاروبار کرنے والوں کو بالکل جنت ہی میں پہنچا دیا۔ یہ غلط فہمی آپ کو کہاں سے لاحق ہو گئی کہ یہ ایک بیت المال ہے جس میں مال دار ایک چندہ دیتا ہے اور حاجت مند لوگ اس کا فائدہ اُٹھاتے ہیں؟ حالانکہ یہ ایک باقاعدہ کاروبار (بزنس) ہے جس کو سرمایہ دار اپنے فائدہ کے لیے چلاتے ہیں نہ کہ آفت رسیدہ لوگوں کے فائدے کے لیے۔ سرمایہ داروں نے سارے معاشرے کی بچتیں (SAVINGS) کھینچ کر اپنے قبضے میں لے لینے کے لیے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک بینک جو سود کا لالچ دے کر لوگوں کے بچے ہوئے مال (SAVINGS) اپنے قبضے میں لیتا ہے۔ اور دوسرے انشورنس کمپنی، جو لوگوں کو نقصانات کی صورت میں مدد دینے کا لالچ دے کر پریمیم کی صورت میں ان کا سرمایہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ان دو طریقوں سے تمام قوم کے بچے ہوئے مال اِن سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ اپنی شرائط پر اس ساری دولت کو معاشرے کے اُن کاموں میں لگاتے ہیں جو ان کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہوں۔ بینک کی طرح انشورنس کمپنی بھی کوئی فلاحِ عام کا ادارہ نہیں ہے۔ کمپنی والے پورا حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ جتنے لوگ ہم سے انشور کراتے ہیں ان سے ہم کو پریمیم کتنا وصول ہو گا اور کتنے نقصانات کی تلافی کرنے کے لیے ہم کو کتنی رقم دینی ہو گی۔ اس حساب سے وہ یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ کتنا نفع ہم کو حاصل ہو گا۔ جب تک انہیں بھاری نفع کی امید نہ ہو وہ انشورنس کا کاروبار ہرگز نہ کریں۔ اب آپ خود بتائیے کہ اگر وہ آپ کے ایسے ہی خیر خواہ ہیں اور خدمتِ خلق ہی کے لیے کام کر رہے ہیں تو اتنے بھاری منافع کیسے کماتے ہیں؟ اتنی عظیم الشان کوٹھیاں کیسے بناتے ہیں؟ اتنے عالی شان دفتر کیسے قائم کرتے ہیں؟ اتنی بڑی بڑی تنخواہوں والے ملازم اور ایجنٹ کیسے رکھتے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ اپنی جیب سے خیرات کے طور پر ہو رہا ہے یا آپ کی جیب سے وصول کیا جاتا ہے؟ یہ بیت المال نہیں ہے، محض ناجائز نفع اندوزی ہے۔

سوال نمبر ۷۔ امریکہ اور کینیڈا میں مسلمان بچوں کی تعلیم کا مسئلہ

"جماعت اسلامی امریکہ اور کینیڈا میں ہمارے بچوں کی تعلیم کے لیے نصابی کتابیں کس طرح فراہم کر سکتی ہے؟"

جواب:۔ جماعت اسلامی اس خدمت کی خود خواہشمند ہے۔ آپ اس کو بتائیں کہ آپ کس قسم کے لٹریچر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ میں تو اب واپس جا رہا ہوں۔ آپ اپنی ضروریات سے مرکز جماعت اسلامی لاہور کو آگاہ کریں اور تفصیل سے بتائیں کہ آپ کو کس طرح کا لٹریچر درکار ہے۔ انشاء اللہ ہم اسے فراہم کریں گے۔ یا اگر وہ موجود نہ ہوگا تو تیار کرائیں گے اور یا تو خود چھپوائیں گے یا آپ کو بھیج دیں گے تاکہ آپ خود چھپوالیں۔

سوال نمبر ۸۔ ترقی یافتہ قوموں کے لیے اسلام میں کشش کیا ہے؟

"ایک غیر مسلم کے لیے اسلام میں کیا کشش ہے جبکہ اچھے کیرکٹر کے لوگ غیر مسلموں میں بھی پائے جاتے ہیں؟ اور مسلمان تو آج کی دنیا میں ایک شکست خوردہ قوم سمجھے جاتے ہیں"۔

جواب:۔ ایک غیر مسلم کے سامنے اسلام بحیثیت ایک دین کے آئے تو اس کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ پیش کرنے والے کون ہیں۔ اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ پیش کیا چیز کی جا رہی ہے اور آیا وہ حق ہے یا نہیں؟ اگر وہ مطمئن ہو جائے کہ جو چیز میرے سامنے پیش کی جا رہی ہے وہ حق ہے تو اسے قبول کرنا چاہیے اور افسوس کرنا چاہیے اُس شخص کے حال پر جو حق اس کے سامنے پیش کر رہا ہے مگر خود اس کی پیروی نہیں کر رہا۔ اُسے پیش کرنے والے کو اس بات پر شرم دلانی چاہیے اور خود اس چیز کی پیروی اختیار کرنی چاہیے جسے وہ حق سمجھتا ہے۔ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ ہم مسلمان چونکہ ایک شکست خوردہ قوم ہیں اس لیے ہماری پیش کردہ اسلامی تعلیمات کو دنیا قبول نہیں کرے گی۔ مسلمان آج اتنے شکست خوردہ تو نہیں ہیں جتنے تاتاری حملے کے وقت ہوئے تھے۔ اُن وحشیوں نے اُس وقت ہمارے بڑے بڑے مراکز تہذیب و تمدن کو برباد کر دیا تھا۔ بڑی بڑی لائبریریاں تباہ کر دی تھیں۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ اور ماوراء النہر سے لے کر مصر کے قریب تک ساری اسلامی دنیا کو تہس نہس کر ڈالا تھا۔ لیکن وہی تاتاری جنہوں نے مسلمانوں پر اس طرح سے غلبہ حاصل کیا تھا آخر کار خود مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے اُسی شکست خوردہ قوم کے دین کو قبول کر لیا جس نے ان کے آگے ہتھیار ڈالے

تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا ایک شکست خوردہ قوم ہونا اس امر میں مانع نہیں ہے کہ آپ دنیا کے سامنے اسلام پیش کریں۔ اسلام کو معقول طریقے سے پیش کیجیے اور ساتھ ساتھ یہ کوشش کیجیے کہ آپ کی زندگی بھی اس کے مطابق ہو تاکہ لوگوں کے سامنے آپ اپنی بُری مثال پیش نہ کریں۔ لیکن اگر فرض کیجیے کہ آپ اپنی زندگی نہیں بدلتے تو پھر بھی اسلام کو اُس کی اصل صورت میں اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ کیجیے۔ کوئی معقول آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ایک حق بات کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ اس کا پیش کرنے والا خود اس پر نہیں چل رہا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی لوگوں کے سامنے حفظانِ صحت کے اصول بیان کر رہا ہو اور یہ بتا رہا ہو کہ تمہاری صحت اِن اصولوں کی پیروی کرنے سے ٹھیک رہ سکتی ہے، اور سننے والا یہ دیکھے کہ یہ شخص خود حفظانِ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنی صحت خراب کر رہا ہے، تو وہ یہ دلیل نہیں دے سکتا کہ چونکہ تم خود ان اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنی صحت بگاڑ رہے ہو، اس لیے میں بھی حفظانِ صحت کے یہ اصول قبول نہیں کرتا۔ عقلمند آدمی تو ایسی بات کبھی نہ کہے گا۔

سوال نمبر ۹۔ اسلام کی ابتدا غربت سے ہونے کا مطلب

"اس حدیث کا کیا مطلب ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَدَأَ الاسلام غریباً وسیعود غریباً فطوبیٰ للغرباء۔ اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس خوشخبری ہو غربا کے لیے۔"

جواب:۔ اس حدیث کو سمجھنے میں عام طور پر لوگوں کو جو مشکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لفظ غریب کو اردو محاورے کے مطابق مفلس کے معنی میں لے لیتے ہیں۔ حالانکہ غریب کا لفظ عربی زبان میں اجنبی اور نامانوس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اُردو میں بھی جب ہم عجیب و غریب بولتے ہیں تو اس کے معنی قریب قریب وہی ہوتے ہیں جو عربی میں لفظِ غریب کے ہیں۔ ہر وہ شخص یا کام یا چیز غریب ہے جس سے لوگ آشنا نہ ہوں، جسے نرالا سمجھ کر لوگ اس سے اُوپراتے ہوں، جو اُن کے ذوق اور پسند کے مطابق نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو جب اوّل اوّل پیش کیا گیا تو عموماً لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ایک نرالی بات کہی جا رہی ہے، ہم تو اس سے بالکل مانوس نہیں ہیں، ہمارے باپ دادا نے کبھی ایسی باتیں نہیں سُنی تھیں۔ پس اسلام ابتدا میں بالکل اجنبی تھا اور لوگ اس کو ایک نرالی اور ناموافق مزاج چیز سمجھتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اسلام ہی مقبول عام ہو گیا اور رہ رہ

چیز اجنبی ہوگئی جو اسلام کے خلاف تھی۔ اس کے بعد ایک وقت پھر ایسا آئے گا جب اسلام دنیا میں غریب ہو جائے گا۔ یعنی اُسی طرح سے غیر مانوس اور اجنبی ہوگا جس طرح وہ ابتدا میں تھا۔ اور وہ وقت یہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آج ایک مسلمان لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے شرماتا ہے۔ اپنے اسلامی لباس میں چلتے پھرتے شرم محسوس کرتا ہے۔ ایک مسلمان عورت اسلامی احکام کی اطاعت میں زندگی بسر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہے۔ گناہ کرنے والا آج جری و بیباک ہے اور ایک صالح مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے والا اپنی جگہ خوف زدہ بیٹھا ہوا ہے کہ معلوم نہیں میں سوسائٹی میں کیسے قبول کیا جاؤں گا۔ اُس کا جینا مشکل ہے۔ ہر چیز اُس کے مزاج کے خلاف ہے۔ ہر چیز اُن اصولوں کے خلاف ہے جن کو وہ حق مانتا ہے۔ وہ سب کچھ دنیا میں دھڑلے سے ہو رہا ہے جس کے متعلق اُس کا عقیدہ ہے کہ یہ بیحیائی ہے، فحش ہے، بے شرمی ہے، گناہ ہے، حرام ہے۔ جن چیزوں کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ فرض ہیں ان کو بجا لانا مشکل ہو رہا ہے اور جن چیزوں کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ حلال ہیں ان کا استعمال اس کے لیے دشوار ہو رہا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اسلام ایک دفعہ پھر غریب اور نامانوس ہو کر رہ جائے گا۔ اور ایسے ہی حالات کے بارے میں حضوؐر نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہے غریبوں کے لیے، یعنی اُن لوگوں کے لیے جو ایسے حالات پیدا ہو جانے کے بعد بھی اسلام کے اصولوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں اور اس کی کچھ پروا نہ کریں کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ دُنیا اُن کا مذاق اُڑائے، یا اُن پر ہنسے، یا ان کی تذلیل و تحقیر کرے، وہ بہر حال اسلام کے اصولوں سے نہ ہٹیں اور اجنبی بن کر رہ جانا قبول کر لیں۔ ان کے لیے حضوؐر نے جو خوشخبری دی ہے وہ آخرت میں کامیاب ہونے کی بشارت تو بہر صورت ہے، خواہ دنیا میں وہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ مگر یہ دنیا میں بھی کامیاب ہونے کی بشارت ہو سکتی ہے اگر ایسے "غریب" لوگ مل کر ایک مضبوط اور منظم جماعت بن جائیں اور اسلام کے اصولوں کو غالب کرنے کے لیے اُسی طرح جان لڑا دیں جس طرح ابتدائے اسلام میں اہل ایمان نے اپنی جانیں لڑائی تھیں۔ اس صورت میں ان کے لیے خوشخبری ہے کہ آخر کار اسلام کی غربت ختم ہو جائے گی اور وہ پھر دنیا میں ایک غالب قوت بن جائے گا۔ اس تشریح سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کی غربت کے زمانے میں غریب بن کر رہ جانے والوں کے لیے ہر حال میں بشارت ہی بشارت ہے، خواہ وہ دنیا میں اکیلے غریب رہ جائیں، یا اس غربت کی حالت میں منظم ہو کر دنیا کی غالب جاہلیت سے لڑیں اور اس پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں، یا اس کوشش میں لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں۔

(باقی)